اردو اور پشتو کا ربط باہم

حنیف خلیل*

ہمارے اکثر و بیشتر محققین و ناقدین اس رائے پر متفق ہیں کہ اردو کی جائے پیدائش کا مرکز و محور دہلی ہے۔ وہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ دہلی مختلف اوقات میں کئی اقوام اور حکمرانوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ سیّد انشاء اللہ خان انشاء نے ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں زبانوں کے بارے میں دریائے لطافت کے نام سے فارسی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ عبدالرؤف عروج نے کیا ہے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں اس کتاب کو فارسی زبان میں انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے اور آفتاب اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۲ء میں عبدالرؤف عروج کا ترجمہ شائع کیا۔ انشاء اردو کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بالجملہ زبان اردو مشتمل است بر چند زبان یعنی عربی و فارسی و ترکی و پنجابی و پوربی و نمبرآں مثال مدلل''[۱]

اس کتاب کے اردو ترجمہ میں انشاء اللہ خان انشاء ''اردو کیا ہے؟'' کے زیرعنوان لکھتے ہیں:

> دلی بیشتر مغل بادشاہوں کا دارالقرار تھی۔ فنونِ لطیفہ اور علوم شرقیہ کے تمام باکمال یہاں رہتے تھے۔ اس لیے اسے بھی اصفہان اور استنبول کا مرتبہ مل گیا۔ لاہور، ملتان، آگرہ اور الٰہ آباد بھی اپنے ذی شوکت حکمرانوں کی بدولت اس کے ہم چشمک رہے لیکن اِن کو اس کی سی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ دلی میں ان کی نسبت بادشاہت زیادہ عرصہ تک رہی ہے اس لیے اس کے ہم بیانوں نے بہم ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے الفاظ منتخب کر کے بعض عبارتوں اور محاوروں میں تصرف کیا اور پھر تمام زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی۔ یہی زبان اردو ہے۔[۲]

---

* لیکچرر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

انشاء اللہ خان انشاء نے دہلی میں متوطن مختلف فرقوں اور قبیلوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ ان فرقوں اور قبیلوں میں انھوں نے پنجابی، پوربی، کشمیری اور دلی کے دیگر مقامی لوگوں کا ذکر کیا ہے جن میں افغانوں کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ افغانوں کے بارے میں اِنشاء لکھتے ہیں:

> دلی کے بعض محلوں میں مختلف قصبوں کے لوگ آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کی اولاد عجیب و غریب زبان بولتی ہے۔ چنانچہ افغانوں کی آبادی میں پیارا، اجارہ کے وزن پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نسل بہتر کو بیش؛ رنڈی کو جروا، مور کو مرا؛ چارپائی کو کھٹیا؛ آگ کو آگی اور حلال خور کو بھنگی کہتی ہے۔[۳]

انشاء اللہ خان انشاء نے دلی میں مقیم پشتونوں کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے:

> جن کے آباؤ اجداد لاہور، پشاور، کابل، غزنی، بلخ، بخارا اور سمرقند سے آ کر دلی میں آباد ہوئے تھے، وہ پشاوری کلاہ سر پر کج کیے اس انداز سے پھرتے ہیں کہ ان کی آنکھ چھپ جاتی ہے۔ ان کے نزدیک بھائی کو بھیا یا بھائی جان کہنا معیوب ہے۔ وہ بھائی کو اکا کہتے ہیں۔[۴]

ان حوالہ جات کا مقصد یہ ہے کہ اردو کی تشکیل و تعمیر میں جہاں دیگر زبانوں کا کردار رہا ہے وہاں پشتو اور پشتونوں کا بھی اس میں نمایاں حصہ ہے لیکن ہمارے دانشوروں نے اردو کے ساتھ فارسی، عربی، ہندوی، پنجابی، سرائیکی، سندھی، بلوچی اور کئی دیگر زبانوں کا ربط باہم تو واضح کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں مگر پشتو اور پشتونوں کے نمایاں ترین کردار کو یکسر نظرانداز کر دیا ہے۔ لے دے کر سیّد فارغ بخاری، امتیازعلی تاج عرشی، ڈاکٹر جمیل جالبی اور خاطر غزنوی نے اس سلسلے میں کچھ اشارے کیے ہیں۔ اگرچہ خاطر غزنوی نے ''اردو کا ماخذ ہندکو'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ہے مگر اس کتاب میں اردو کے ساتھ ہندکو کے تعلق کو زیادہ اجاگر کیا گیا ہے اور پشتو کو ضمنی طور پر زیر بحث لائے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اردو کی تشکیل و تعمیر میں سب سے نمایاں کردار پشتو اور پشتونوں کا رہا ہے۔ اس مختصر سی بحث میں پہلے اردو کے ساتھ دیگر زبانوں کے تعلق پر تبصرہ کرتے ہیں اور پھر اردو اور پشتو کے باہمی تعلق کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اردو کے ساتھ دیگر زبانوں کے تعلق سے تو انکار کسی صورت نہیں کیا جا سکتا مگر اردو کی تشکیل و تعمیر میں ان زبانوں کا کردار کیا رہا ہے اس سلسلے میں میری چند گزارشات اور ناقدانہ رائے ہیں جو زیر بحث لائی جاتی ہیں۔

۱- اردو اور فارسی

اردو اور فارسی کا تعلق بالکل واضح ہے۔ ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی نے ان دونوں زبانوں کے ارتباط پر ایران سے پی ایچ ڈی کی سند کے لیے ایک تحقیقی مقالہ بھی لکھا ہے جس کو مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ اردو پر فارسی کے اثرات یا اردو کی تشکیل میں فارسی زبان کے حصے کے سلسلے میں میرا مفروضہ یہ ہے کہ اردو پر فارسی کے اثرات ایرانیوں کے نہیں بلکہ پشتونوں اور افغانوں کے مرہون منت ہیں۔ یہ وہی افغان ہیں جو ہندوستان پر شمال مغرب کی طرف سے مختلف یلغاروں کے ساتھ آئے اور ہندوستان کی مقامی آبادی کے ساتھ مل کر اور ہندوستان میں سکونت پذیر ہو کر مقامی زبانوں پر اپنے لسانی، ثقافتی اور سماجی اثرات مرتب کرتے رہے ہیں۔

فارسی زبان کے محققین جانتے ہیں کہ فارسی کے دو معروف لہجوں ایرانی اور تورانی میں سے اردو پر تورانی لہجے کے اثرات زیادہ گہرے ہیں جو اصل میں افغانستان کے فارسی بولنے والوں کے اثرات ہیں۔ مثال کے طور پر حافظ شیرازی کا شعر ہے:

اگر آن ترک شیرازی بدستِ آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را ۵

اس شعر کا تلفظ ایرانی لہجے میں اور جدید فارسی میں یوں ہو گا:

اگر اون ترک شیروزی بدست اوید دل مورو
بخول ہندوش بخشم سمر قند و بخورو رو

یعنی ''الف'' کا تلفظ ایران میں ''واؤ'' سے کیا جاتا ہے جبکہ تورانی لہجے، افغانستان کی فارسی اور قدیم زبان میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح اردو میں ہے۔ لہٰذا اردو پر فارسی اثرات بھی پشتونوں اور افغانوں ہی کی دین ہے۔

۲ - اردو اور عربی

کئی دانشور اور محققین اردو پر عربی کے اثرات بھی ثابت کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی کے اثرات محض اردو نہیں بلکہ تمام مشرقی زبانوں پر ہیں۔ اس لیے اس سے یہ مراد لینا درست نہیں کہ اردو کی تشکیل میں عربی یا عربوں کا کوئی کردار رہا ہے۔ میری نظر میں اردو پر عربی کے

اثرات میں بھی افغانوں کا کردار نمایاں ہے اس لیے کہ عربی سے افغانوں کا دینی لگاؤ مشرق کی باقی تمام اقوام سے زیادہ ہے۔ ذاتی دلچسپی، دینی لگاؤ اور افغانوں کے نصابات میں عربی کے بیشتر حصے کی وجہ سے پشتو ہی کی وساطت سے عربی الفاظ کا ذخیرہ اردو میں داخل ہوا ہے نہ کہ عربوں کی وساطت سے۔

۳- اردو اور سندھی

سیّد سلیمان ندوی نے ''نقوش سلیمانی'' میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اردو مسلمانوں اور ہندوستان کے مقامی لوگوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے۔ لہٰذا اردو کی تشکیل میں سندھی زبان کا بڑا حصہ ہے کیونکہ مسلمان سب سے پہلے سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ لسانی و ثقافتی اثرات لے کر گئے۔

سیدسلیمان ندوی اپنی کتاب *نقوش سلیمانی* میں کچھ عرب سیاحوں اور مورخین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اب صورت یہ ہوئی کہ ہر صوبہ کی مقامی بولیوں میں مسلمانوں کی زبان کے الفاظ کا میل ہو کر ایک نئی بولی پیدا ہونے لگی۔ مسلمانوں کا یہ میل جول جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، سب سے پہلے ملتان سے لے کر ٹھٹھہ تک سندھ میں اور پھر یہاں سے گجرات اور کاٹھیاوار تک ہوا ہو گا۔ اس میل جُول سے جو زبان بنی اس کا پہلا نمونہ ہم کو ۷۶۲ھ میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سندھ میں ملتا ہے۔ سنہ مذکور میں سلطان ٹھٹھہ پر ناکام حملہ کر کے جب گجرات جاتا ہے تو ٹھٹھہ والوں نے اس کو اپنے شیخ کی کرامت سمجھ کر کہا۔ برکت شیخ تھیا۔ اک موا۔ اک تہا۔ یعنی شیخ کی برکت تھی کہ ایک حملہ آور (سلطان محمد شاہ تغلق جس نے ۷۵۲ھ میں حملہ کیا تھا) مر گیا اور دوسرا فیروز شاہ تغلق ناکام رہا۔ عبارت سے یہ آئینہ ہے اس زمانہ (۷۶۲ھ) میں عربی، فارسی اور ہندوستانی بولیوں کا مجموعہ جس کو آج آپ اردو کہتے ہیں پیدا ہو چکا تھا۔[۶]

اس نظریے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہونے والے مسلمان عموماً عرب ہی تھے اور اردو پر محض عربی اور سندھی کے اثرات نہیں بلکہ کئی زبانوں کے اثرات ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تاریخی حوالوں سے واضح ہے کہ عرب مسلمان ہندوستان میں سندھ کے راستے سے داخل ہو کر صرف ملتان (اُس وقت کا منصورہ) تک آئے تھے اور تقریباً تین سو سال حکمرانی کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے مراکز، خصوصاً دہلی، تک عرب مسلمان کسی

دور میں بھی نہیں پہنچے۔ اس نظریے سے اتفاق کرنے میں سب سے بڑی رُکاوٹ یہ ہے کہ عرب مسلمان سندھ کے راستے سے محمد بن قاسم کے ساتھ ۷۱۲ء میں داخل ہوئے تھے جو قریباً تین سو سال حکمرانی کرتے رہے۔ اس تین سو سالہ عرصے میں اردو زبان کی موجودگی تو کیا، اردو کا بیج بھی نہیں بویا گیا تھا۔ لہٰذا اردو پر سندھی کے اثرات کے حوالے سے سیّد سلیمان ندوی کے پیش کردہ دلائل، جن کی تائید بعد میں پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور دیگر سندھی دانشوروں نے کی ہے، قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔ البتہ جدید سندھی اور اردو کی قربت، لسانی لین دین اور ربطِ باہم سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

۴- اردو اور پنجابی

اُردو پر پنجابی کے اثرات دکھانے اور دونوں زبانوں کے قریبی تعلق کو اجاگر کرنے والوں میں سب سے نمایاں نام حافظ محمود شیرانی کا ہے۔ ان کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ اردو مسلمانوں اور دہلی میں مقیم لوگوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے اور مسلمانوں نے پنجاب سے دہلی ہجرت کی ہے لہٰذا پنجاب سے دہلی جا بسنے والے مسلمان اپنے ساتھ اپنی زبان پنجابی بھی لے گئے۔ یوں پنجابی اور دہلی کی مقامی زبانوں کے اختلاط سے جو نئی زبان وجود میں آئی وہ آج کل کی 'اردو' ہے۔

حافظ محمود شیرانی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

> اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی میں جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں۔ اس نظریئے کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے پاس کوئی قدیم شہادت یا سند نہیں لیکن سیاسی واقعات، اردو زبان کی ساخت نیز دوسرے حالات ہمیں اس عقیدے کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔[۷]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ محمود شیرانی نہایت مستند محقق اور دانشور تھے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اردو اور پنجابی لسانی اور لغوی لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں مگر اس سلسلے میں بھی چند بنیادی باتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پنجابی اور اردو میں قریبی مماثلت اس وجہ سے ہے کہ قدیم پنجابی کوئی الگ زبان نہیں تھی بلکہ اسی اردو کی علاقائی شکل تھی جو آج کل ایک الگ اور بڑی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ اردو کے کچھ قدیم نام

علاقوں کی نسبت سے رکھے گئے تھے جیسے ہندوستان کی نسبت سے ہندوی، ہندی، یا ہندوستانی، دکن کی نسبت سے دکنی، گجرات کی نسبت سے گوجری یا گجراتی، دہلی کی نسبت سے دہلوی وغیرہ۔ اسی طرح لاہور کی نسبت سے اس زبان کو پہلے لاہوری اور بعد میں پنجابی کہا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حافظ محمود شیرانی نے پنجاب سے دہلی کی جانب سفر کرنے والے مسلمانوں کے تذکرہ میں یہ نہیں بتایا ہے کہ کیا پنجاب سے ہجرت کرنے والے مسلمان تمام کے تمام پنجابی زبان بولنے والے تھے۔ انھیں یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ یہ مسلمان پنجاب کی طرف کہاں سے آئے تھے۔

تاریخی حوالے واضح ہیں کہ پنجاب میں داخل ہونے والے مسلمان وہی لوگ تھے جو شمال مغرب کی جانب سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ یہ پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں پھیلتے چلے گئے۔ یہ لوگ دراصل وہی افغان تھے جو مختلف اوقات میں محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، شیر شاہ سوری، خلجی حکمرانوں، احمد شاہ ابدالی اور دیگر پشتون حملہ آوروں کے ساتھ افغانستان سے درہ خیبر کے راستے پشاور سے ہوتے ہوئے پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں داخل ہوتے رہے تھے۔ چنانچہ یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ حافظ محمود شیرانی اگر اپنی تحقیق کی ابتدا پنجاب کی بجائے درہ خیبر اور افغانستان کے حملہ آوروں کے دور سے شروع کرتے تو بات واضح ہو جاتی کہ اردو کی تخلیق کا اصل سبب ہندوستان میں افغانی مسلمانوں کی آمد ہی تھا۔

پشتو اور اردو کا ربط باہم

اردو کے ساتھ دیگر مشرقی زبانوں کے ربط باہم کو اجاگر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان باہمی روابط میں بھی پشتو اور پشتونوں کا حصہ رہا ہے۔ ہم یہاں صرف براہِ راست پشتو اور پشتونوں کے اردو زبان پر اثرات اور اردو کی تشکیل میں ان کے کردار پر مختصر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تاریخی اور لسانی دونوں حوالوں سے دلائل موجود ہیں۔ سب سے پہلے جناب فارغ بخاری کی پیش کردہ چند گزارشات کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ فارغ بخاری کہتے ہیں:

۱- پشتو ہندوستان کی زبانوں میں سب سے قدیم اور افغان تہذیب سب سے قدیم ہے۔ اس لیے مابعد کی تمام دوسری زبانوں اور تہذیبوں پر اس کا اثر ہونا لازمی ہے۔

۲- ہندوستان میں اول تا آخر تمام یلغاریں شمال مغرب کی طرف سے ہوتی رہیں۔ ان یلغاروں

کے ہمراہ تمام لشکر ہمیشہ افغانوں کے ہوتے تھے۔ ان ہی لشکروں میں ایک نئی زبان کا ریختہ تیار ہوا جس نے لشکر کی رعایت سے اردو نام پایا۔

۳- افغانوں کے ملک میں اس زبان نے جنم لیااور اسی کی آغوش میں پلی بڑھی۔

۴- افغانوں کی بنائی ہوئی سراؤں میں پروان چڑھ کر اس نے وضاحت کی سند حاصل کی۔

۵- افغانوں کے ساتھ یہ ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچی اور ان کی بستیاں ہی اس کا مرکز بنیں۔

۶- افغانوں نے نظم و نثر کی تخلیق کا آغاز کیا اور ہندوستان کے بیشتر عظیم شاعر و ادیب افغانی النسل تھے۔

۷- اردو کو پشتو الفاظ سے پاک کرنے کی شعوری کوششوں کے باوجود آج بھی اس میں پچاس فی صد پشتو الفاظ ہیں۔ [8]

سید فارغ بخاری کے ان دلائل سے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں اول تا آخر تمام یلغاریں یقیناً شمال مغرب کی طرف سے ہوتی رہیں۔ مگر انگریز ہندوستان میں شمال مغرب سے نہیں آئے چونکہ انگریز یلغار کی صورت میں نہیں بلکہ اپنی مخصوص سیاسی حکمت عملی سے آہستہ آہستہ ہندوستان میں پھیل گئے تھے اس لیے ہندوستان میں یلغاروں کی ذیل میں فارغ بخاری نے ان کو شامل نہیں کیا۔

فارغ بخاری کی تائید میں امتیاز علی خان عرشی کا ایک اقتباس بھی پیش کرتا ہوں۔ عرشی صاحب فرماتے ہیں:

> اردو زبان کی پیدائش کا سب سے بڑا سبب ہندوستان میں افغانیوں کی آمد تھی اور اس نئی زبان میں عام طور پر بولے جانے والے عربی، فارسی، ترکی اور مغلی الفاظ کا بڑا حصہ بھی افغانیوں ہی کی زبان اور ان ہی کی وساطت سے داخل ہوا ہے۔ [9]

عرشی صاحب نے ان الفاظ کا سراغ بھی لگایا ہے جو اردو میں تو در آئے ہیں لیکن ان کا سراغ سنسکرت، فارسی اور عربی میں نہیں ملتا۔ البتہ پشتو میں آج بھی یہ الفاظ اُن ہی مفاہیم میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس نظریے کی تائید میں کئی دیگر حوالہ جات اور دلائل موجود ہیں اور پشتون اہل قلم کا اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں فعال کردار بھی اس میں شامل ہے۔

اگر ہم تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں تو اردو نثر میں دسویں صدی ہجری کے اوائل میں کوئی کتاب نظر نہیں آتی مگر پشتون اہل قلم بایزید پیر روشان نے ۹۳۱ھ میں *خیرالبیان* کے نام سے چار زبانوں میں کتاب لکھی ہے جن میں اردو اور اس وقت کی ہندی بھی شامل ہے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے کے دور میں حافظ محمود شیرانی نے اردو نما فارسی زبان میں *جواہر فریدی* کے حوالے سے پیر و مرشد کے مابین جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ بھی دو پشتونوں کے درمیان ہے جن کے نام قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ فرید الدینؒ ہیں۔[۱۰]

اس کے بعد اردو کے اکثر و بیشتر بڑے شعراء جیسے مرزا محمد رفیع سودا، سید انشاء اللہ خان انشاء، نظیر اکبر الہ آبادی، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، نواب تصدق حسین خان اور جدید دور میں اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، احمد فراز اور کئی دیگر کا تعلق افغانی نسل سے ہے، جس سے افغانوں کے اردو زبان سے لگاؤ کا پتا چلتا ہے۔

تذکیر و تانیث کا مسئلہ

اردو کی تشکیل میں پشتونوں کا کردار بجا طور پر تسلیم نہ کرنے والوں کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اردو اور پشتو میں تذکیر و تانیث کے قواعد میں بہت تضاد ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پشتو بولنے والے اردو میں مذکر و مؤنث کو عموماً اُلٹ بولتے ہیں۔ اس سلسلے میں میرا دعویٰ یہ ہے کہ پشتو بولنے والوں کی اردو تذکیر و تانیث کی جو غلطی قرار دی جاتی ہے یہ غلطی نہیں ہوتی بلکہ حقیقت میں یہی مذکر مؤنث کی درست ادائیگی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں جو چیزیں مذکر ہیں وہ پشتو میں مؤنث ہیں اور جو چیزیں اردو میں مؤنث ہیں وہ پشتو میں مذکر ہیں۔ اب پتا کیسے چلے گا کہ اردو میں تذکیر و تانیث کا تلفظ اور قاعدہ درست ہے یا پشتو میں۔ اس سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر زبان میں تذکیر و تانیث کا کوئی نہ کوئی قاعدہ اور اصول ہوتا ہے۔ تذکیر و تانیث میں جو چیزیں فطری تذکیر و تانیث میں آتی ہیں، جیسے جاندار مخلوقات میں سے انسان، پرندے، جانور، وغیرہ تو ان میں تذکیر و تانیث کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اردو، پشتو اور دیگر زبانوں میں جہاں تذکیر و تانیث میں فرق ہوتا ہے یہ فطری تذکیر و تانیث ان تمام زبانوں میں واضح ہے سوائے فارسی زبان کے کہ فارسی میں مذکر و مؤنث کی تمیز کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جہاں پر تذکیر و تانیث غیر فطری ہوتی ہے وہاں اردو اور پشتو میں مسئلہ پیش آتا ہے۔ یہاں تک کہ پشتون کبھی کبھی فطری تذکیرو تانیث میں بھی غلطی کرتے ہیں۔اس غلطی کی وجہ بھی اردو زبان میں تذکیر و تانیث کی بے قاعدگی ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیزیں یائے معروف (ی) پر ختم ہوتی ہیں وہ تمام کی تمام مؤنث ہوتی ہیں جیسے دلیری، بہادری، جوانمردی وغیرہ۔ اس کے برعکس پشتو میں طریقہ یہ ہے کہ غیر فطری تذکیر و تانیث کے سلسلے میں پہلے تو اصول اور قاعدہ کے مطابق تعین کیا جاتا ہے مگر جہاں اصول اور قاعدہ بھی بے بس ہو تو عقل عامہ (Common Sense) سے فیصلہ کیاجاتا ہے کہ جن چیزوں میں مرد یا مذکر کی خصوصیات زیادہ ہوں جیسے سخت ہونا، بڑا ہونا، مضبوط ہونا، طاقتور ہونا اور جلال کا ہونا وغیرہ تو وہ تمام چیزیں مذکر کے ذیل میں آتی ہیں اور جن غیر فطری تذکیرو تانیث والی چیزوں میں عورت یا مؤنث کی خصوصیات زیادہ ہوتی ہیں جیسے نرمی، شگفتگی، خوبصورتی، خوف و ڈر کا ہونا، چھوٹا ہونا، کم طاقت کا حامل ہونا وغیرہ، وہ تمام چیزیں مؤنث کے ذیل میں شمار ہوتی ہیں۔ اب اردو کا مزاج دیکھیے کہ دلیری، بہادری اور جوانمردی چونکہ قاعدہ میں یائے معروف پر ختم ہو تی ہیں اس لیے مؤنث ہیں مگر قاعدہ میں تو لفظ پانی بھی یائے معروف (ی) پر ختم ہوتا ہے مگر وہ مذکر ہے۔ قاعدہ میں‌تو مولوی، دھوبی، نائی حتیٰ کہ آدمی بھی یائے معروف پر ختم ہوتا ہے مگر وہ تمام کے تمام مذکر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اردومیں تذکیر و تانیث کا قاعدہ ناقص ہے۔ جہاں‌قاعدہ ناقص ہو وہاں اردو بولنے والوں کی عقل عامہ(Common Sense) دیکھیے کہ جوانمردی، دلیری، بہادری وغیرہ میں مردیا مذکر کی خصوصیات زیادہ ہیں یا عورت و مؤنث کی۔ ظاہر ہے کہ ان تمام میں مردانہ خصوصیات زیادہ ہیں‌مگر اردو بولنے والوں کے ہاں قاعدہ مؤثر ہے نہ عقل عامہ حسب فطرت ہے۔ اردو بولنے والے تو کیا کسی قوم میں بھی یہ رجحان فطری نہیں ہوسکتا کہ اُن کی عورت میں مرد سے زیادہ مردانگی، دلیری اور بہادری ہو۔ اس کے مقابلے میں عورت کی خصوصیات میں سب جانتے ہیں کہ خوف اور ڈر مرد کی نسبت زیادہ ہوتا ہے مگر اردو میں ''خوف'' اور ''ڈر'' دونوں الفاظ مذکر ہیں۔

ایک اور مثال دیکھیے۔ غیر فطری تذکیر و تانیث میں حکومت، طاقت، شجاعت، غیرت وغیرہ مرد کی خصوصیات ہیں یا عورت کی۔ ظاہر ہے کہ حکومت میں طاقت ہوتی ہے اور زیادہ طاقت مرد کی خاصیت ہے۔ شجاعت و غیرت مرد میں زیادہ ہوتی ہے۔ لفظ طاقت بذات خود مردانگی کا مظاہرہ کرتا

ہے۔مردانگی بذات خود مردکی خاصیت ہے۔ اس کے برعکس اردو زبان کے بولنے والوں کا قاعدہ تو ویسے بھی ناقص ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی عقل عامہ (Common Sense) بھی دیکھیے کہ حکومت، طاقت، غیرت، شجاعت، مردانگی سب کے سب الفاظ مؤنث ہیں۔ لوگ اور اقوام جن کے ہاں انسانوں میں سے مرد کے سر پر رکھنے والی چیز پگڑی مؤنث ہوتی ہے اور خاتون کے سر پر رکھنے والی چیز دوپٹہ مذکر ہوتا ہے اُن لوگوں سے تذکیر و تانیث کے سلسلے میں کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

میری عرض یہ ہے کہ اردو کی گرامر اور قواعد و اصولوں پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی عام سمجھ بوجھ (Common Sense) کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ پشتونوں کی تذکیر و تانیث کی ادائیگی پر بھی تب اعتراض کیا جا سکتا ہے جب قواعد اور عقل عامہ میں توازن پیدا ہو جائے۔ بصورت دیگر پشتونوں کی غلط تذکیر و تانیث کو درست ماننا چاہیے یا دی گئی گزارشات کا علمی جواب دینا چاہیے۔

اردو کے دانشو رجانتے ہیں کہ تذکیر و تانیث کے سلسلے میں دہلی اور لکھنؤ کے مراکز میں بھی اختلاف موجود ہے حتی کہ کئی قدیم شعراء نے اپنی شاعری میں مؤنث کو مذکر اور مذکر کو مؤنث باندھا ہے۔ اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ یہ عمل عموماً ان علاقوں میں زیادہ ہوا ہے جہاں پشتونوں کی آبادی زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ بالکل واضح ہے کہ اردو کے قدیم اساتذہ، شعراء کا تذکیر و تانیث میں غلطی کرنا درحقیقت پشتونوں کی عقل عامہ (Common Sense) اور تذکیر و تانیث میں ان کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

اردو میں تذکیر و تانیث کی اس غلطی کے اثرات نامور محقق امتیاز علی خان عرشی بھی پشتونوں کے اثرات کا دَین سمجھتے ہیں۔ عرشی صاحب لکھتے ہیں:

> جتنے پردیسی الفاظ ہماری زبان میں پٹھانوں کی وساطت سے داخل ہوئے ہیں ان کی تذکیر و تانیث کی تعین میں ہمارے بڑے بوڑھوں نے ان ہی افغان استادوں کی پیروی کی ہے اور اس لیے بہت سے لفظ ہمارے اصول زبان کے برخلاف مذکر یا مونث مروج ہو گئے۔[11]

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ پشتو اور پشتونوں نے اردو کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا ہے اور ان دونوں زبانوں میں کس حدتک ربط باہم قائم و دائم ہے۔

حوالہ جات

۱- سید انشاء اللہ خان انشاء، *دریائے لطافت*، مرشد آباد، ۱۹۵۰ء، ص ۱۱۔

۲- ایضاً، (مترجم عبدالرؤف عروج)، آفتاب اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۲-۲۳۔

۳- ایضاً، ص ۳۹-۴۰۔

۴- ایضاً، ص ۱۰۳۔

۵- حافظ شیرازی، *دیوان*، خانہ فرہنگ ایران، پشاور، ۱۹۸۷ء، ص۲۹۔

۶- سید سلیمان ندوی، *نقوش سلیمانی* (بحوالہ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، مارچ اپریل ۲۰۰۳ھ، جلد ۱۹، شمارہ ۳،۴، ص۱۵۔

۷- حافظ محمود شیرانی، *پنجاب میں اردو*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص۸۔

۸- فارغ بخاری، *ادبیات سرحد* (جلد سوم)، نیا مکتبہ پشاور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۹-۲۰۔

۹- امتیاز علی خان عرشی، *اردو میں پشتو کا حصہ*، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی، ۱۹۶۰ء، ص ۴۴۔

۱۰- حافظ محمود شیرانی، *پنجاب میں اردو* (حصہ اول)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۷۔

۱۱- امتیاز علی خان عرشی، *اردو میں پشتو کا حصہ*، ص۱۰۲۔